اسلامی قانونِ جنگ اور عصرِ حاضر

ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس کرۂ ارضی پر لڑی جانے والی اکثر وبیش تر جنگوں میں نہ کسی ضابطے کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ کسی قانون واصول کی پاسداری کا خیال ذہن انسانی میں آتا ہے، بلکہ ان جنگوں کے ذریعے کائنات انسانی کو فتنہ وفساد کی آماج گاہ بنادیا جاتا ہے اور مدمقابل اقوام اور ملکوں کے انسانوں کو بے دریغ تہہ تیغ کردیا جاتا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون میں مخصوص رنگ ونسل اور جنس وعلاقہ کے رجحانات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان کے یہاں جنگ کے اغراض ومقاصد کی وجہ جواز کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ کن حالات میں جنگ کی اجازت دی جاسکتی ہے اور کن مواقع پر جنگ کی اجازت نہیں ہے؟ کیا کمزور انسانوں پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے جنگ کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے؟ کیا یہ قرین انصاف ہے کہ جب جی چاہا اپنے جابرانہ نظام کے تسلط کے لیے کسی بھی ملک کی سرحد میں جنگی جہاز اتار دیے؟ ان تمام سوالوں کا تشفی بخش جواب انسانی قوانینِ جنگ میں نہیں مل سکتا۔ اس لیے انسانوں کا خود ساختہ قانون امن وآشتی کا ضامن نہیں بن سکتا۔

اس کے بالمقابل دین اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ اسلام نے جنگ کے اصول وضابطے مقرر کیے ہیں۔ ان کا پاس ولحاظ رکھنا ہر اہل ایمان پر فرض ہے۔ ان کے اصول وقواعد کی پاس داری سے کسی کو مفر نہیں ہے، کیونکہ اعلیٰ وارفع مقصد کے حصول کے لیے جب جنگ ناگزیر ضرورت بن جائے تو تلوار اٹھانے والوں کو کھلی چھوٹ نہیں مل جاتی ہے، بلکہ حدود وقیود میں رہ کر فتنہ وفساد، سفاکیت ودرندگی اور ظلم وجور کے سدباب کے لیے اپنی طاقت وقوت کا استعمال بجا قرار دیا جاتا ہے۔

یہ اعزاز تو صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے جنگ وجہاد کے واضح مقاصد متعین کیے اور اس کے آداب واصول مرتب کیے اور بلا جواز قتل وخون ریزی کو سنگین جرم قرار دیا۔ کسی مسلمان فرد یا اسلامی حکومت کو ان بنیادی اصول وضوابط میں ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے۔ اسلامی قوانین ہمہ گیر اور دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ نام ور مصری عالم پروفیسر محمد قطب رقم طراز ہیں: ''اسلام کی یہ جنگیں کسی فوجی قائد کی خود غرضی اور ہوسِ ملک گیری کی پیداوار نہیں تھیں، اور نہ ان کے پیچھے دوسروں کو غلام بنانے کا جذبہ کارفرما تھا، بلکہ یہ جنگیں محض خدا کے لیے لڑی گئیں اور ان کا اصل مقصد رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ تھا، مگر بات صرف جذبے پر ہی ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ اس نے ان جنگوں کے لیے باقاعدہ اصول وقوانین بھی مقرر کیے''۔(اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، ص۹۰)

اسلامی قوانین جنگ

اسلامی قوانین جنگ سے متعلق ذیل میں وہی امور بیان کیے جارہے ہیں جن پر قوانین جنگ کی بنیاد قائم ہے۔ اختصار کے ساتھ ان امور کو زیربحث لایا جاتا ہے:

اطاعت امیر

اسلامی قانون میں جنگ کے تمام اعمال کی ذمہ داری اور امرونہی کے تمام اختیارات کا حامل امیر کو بنایا گیا ہے۔ جنگ کی معمولی کارروائی بھی امیر کی اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی ہے۔ اسلام نے اطاعتِ امیر کو خود خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے برابر قرار دیا ہے اور اس کی نافرمانی کو وہی درجہ دیا جو رسولِ خدا کی نافرمانی کا ہے۔ اطاعت امیر کو خیر وفلاح کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی، اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں، پھر اگر تمھارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہوجائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے''۔(النساء ۴:۵۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لڑائی دو قسم کی ہے: جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کے لیے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی، اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے اجتناب

کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا ذریعہ ہے۔ اور جس نے دنیا کے دکھاوے اور شہرت وناموری کے لیے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی چھوٹے گا (یعنی الٹا عذاب میں مبتلا ہوگا)۔(سنن ابی داؤد، حدیث ۲۵۱۵)

ایک دوسرے مقام پر حدیث میں آتا ہے: جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی، اور جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔(سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۸۵۹)

قرآن وسنت کی درخشاں تعلیمات کی روشنی میں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلامی تعلیمات میں اطاعت امیر ایک اہم حکم ہے جو ہر فرد مجاہد پر لازم ہے، ورنہ اس کے دور رس منفی اثرات ونتائج مترتب ہوں گے۔

معاہدات کی پاس داری

ایفاے عہد کے حوالے سے کتاب اللہ میں متعدد فرامین اور ہدایات موجود ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی سخت تاکید کی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور تم اللہ کا عہد پورا کردیا کرو، جب تم عہد کرو اور قسموں کو پختہ کرلینے کے بعد انھیں مت توڑا کرو، جب تم اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنا چکے ہو۔ بے شک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو''۔(النحل ۱۶:۹۱)

وفاشعاری اور تقویٰ کی سند وہ حضرات حاصل کرتے ہیں جو لوگوں سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو نہیں توڑتے، بلکہ پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اللہ رب العزت کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے ایفاے عہد کرتے ہیں اور جس قول وقرار کو برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، خشیت الٰہی کے ساتھ اس کی پاس داری ولحاظ بھی کرتے ہیں۔

عہد وپیمان اگر کرلیا ہے تو اس کو نبھانا ضروری ہے ورنہ نقض عہد کی بنا پر مؤاخذہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور وعدہ پورا کیا کرو، یقیناً وعدہ کے لیے ضرور باز پرس ہوگی''۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۴)

مشرکین مکہ نے ابورافع کو اپنا قاصد بناکر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ بارگاہِ نبوی کا

اثر ابورافع کی ذات پر اتنا ہوا کہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور حضورؐ سے عرض کیا کہ میں کافروں کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا تم قاصد ہو اور قاصد کو روک لینا عہد و پیمان کی خلاف ورزی ہے۔ تم ابھی جاؤ، پھر واپس آجانا۔ (سنن ابی داؤد، حدیث:۲۷۵۸)

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعے پر حضرت ابوجندلؓ پاؤں میں زنجیریں پہنے ہوئے آئے اور زخموں سے چور بدن کو حضورؐ کے سامنے پیش کیا اور عرض کیا کہ مشرکین مکہ مجھ پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں، لیکن مشرکین مکہ سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ کوئی مسلمان اگر مکے سے بھاگ کر آئے گا تو ہم اس کو قریش کے پاس بھیج دیں گے۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت حضورؐ سے سفارش کر رہی تھی کہ ان کو واپس نہ بھیجا جائے تاکہ ابوجندلؓ مزید جور و ستم کا نشانہ نہ بنیں لیکن آپؐ نے فرمایا کہ معاہدہ لکھا جا چکا ہے۔ اس کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ لہٰذا ابوجندلؓ کو آپؐ نے پناہ دینے سے انکار کر دیا اور حسب معاہدہ وہ قریش مکہ کے حوالے کر دیے گئے۔

ان آیات، احادیث اور واقعات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپؐ نے جو معاہدہ کیا اس کو ہر حال میں پورا کیا۔ حالانکہ آپؐ کو یہ خوب معلوم تھا کہ مکہ کے مسلمان ناگفتہ بہ مصائب و مشکلات سے دوچار ہیں لیکن آپؐ نے ایفائے عہد کا عظیم الشان نمونہ پیش کیا، بلکہ آپؐ نے تو یہاں تک فرمایا کہ کسی معاہد سے عہد و پیمان توڑنے والا جنت کی خوشبو سے محروم ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے: حضورؐ نے فرمایا کہ ''جو شخص کسی معاہد کو بغیر کسی وجہ سے قتل کردے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے''۔ (سنن ابی داؤد، حدیث:۲۷۶۰)

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے: جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو اس گرہ کو مضبوط کرے اور اُسے نہ کھولے یہاں تک کہ جب مدت گذر جائے تو وہ برابری پر عہد کو توڑے۔ (سنن ابی داؤد، حدیث:۲۷۵۹)

اسلام نے ہر سطح پر بدعہدی اور وعدہ شکنی کو منع کیا ہے اور اسے اہل ایمان کے لیے قابلِ مذمت فعل قرار دیا ہے۔ اسلام میں میعاد معاہدہ ختم ہونے تک جنگ کرنے کی ممانعت ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ جنگ بندی معاہدہ ہو گیا ہے اس کو پورا کرنا ہوگا، الا یہ کہ فریق مخالف کی طرف سے نقض عہد کے تلخ تجربات سامنے آئیں یا ان کی طرف سے دشمنوں کی مدد کی گئی ہو۔ معاہدہ

پورا نہ ہونے کی صورت میں فریق مخالف کے خلاف کسی طرح کی جنگی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ اگر معاہد کے خلاف مسلمان مدد طلب کرے تب بھی معاہدے کا لحاظ رکھا جائے گا اور اس کو توڑا نہیں جائے گا۔ عام احوال وکوائف میں معاہدے کے تقدس کا خیال رکھا جائے گا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''اگر وہ (اہلِ ایمان) دین کے معاملات میں تم سے مدد چاہیں تو ان کی مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلے میں مدد نہ کرنا کہ تمھارے اور ان کے درمیان صلح وامن کا معاہدہ ہوا ہو''۔(انفال ۸:۷۲)

عام حالات میں معاہدے کا احترام وتقدس ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں ایک اور ربانی ارشاد ملاحظہ ہو: ''سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انھوں نے تمھارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے مقابلے پر کسی کی مدد کی، سو تم ان کے عہد کو ان کی مقررہ مدت تک ان کے ساتھ پورا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو پسند کرتا ہے''۔(التوبہ ۹:۴)

اسیرانِ جنگ کے قتل کی ممانعت

اہل عرب اسیران جنگ سے نہایت برا سلوک کیا کرتے تھے جیسا کہ موجودہ دور میں گوانتاناموبے جیل میں قیدیوں کے ساتھ کیا جانے والے والا امریکی برتاؤ دنیا کے سامنے ہے۔ اس کے بالمقابل اسلام نے جنگی قیدیوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک کی تاکید فرمائی اور یہ قانون وضع کردیا کہ نہ ان کو ایذا پہنچائی جائے گی اور نہ ان کو قتل کیا جائے گا۔ آپؐ کا ارشاد ہے: زخمی پر حملہ نہ کرو، بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو، قیدیوں کو قتل نہ کرو، اور جو اپنا دروازہ بند کرلے اس کو امان دے دو۔(الامام ابوالحسن البلاذری: فتوح البلدان، ص۵۴)

اسیرانِ جنگ سے متعلق اسلام کا قانون یہ ہے کہ جنگ جب اپنے اختتام کو پہنچ جائے تو انھیں بغیر فدیے کے آزاد کردیا جائے یا فدیہ لے کر رہا کردیا جائے۔ اگر انھیں قیدی بنا کر رکھا جائے تو ان کے ساتھ اچھا سلوک وبرتاؤ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس (اے ایمان والو) جب تمھارا معاملہ کافروں سے ہو تو ان کی گردنیں اڑادو یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو تو ان کو رسی سے باندھ لو۔ اس کے بعد (تم کو اختیار ہے کہ) یا تو احسان رکھ کر (رہا کردو) یا معاوضہ لے کر چھوڑ دو۔(محمد ۴۷:۴)

اسیرانِ جنگ کو صرف قیدی بنا کر رکھنے کے لیے ہی نہیں کہا گیا بلکہ ان کے ساتھ نرمی اور حُسنِ سلوک کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اسیر اور مسکین و یتیم کو کھانا کھلانے کے عمل کے لیے تحریص و ترغیب دی گئی ہے اور اسے نیکوکاروں کا فعل قرار دیا گیا ہے: ''وہ خاص اللہ کی خوشنودی کے لیے مسکین اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو محض اللہ کے لیے تمھیں کھلاتے ہیں۔ کسی جزا یا شکریے کے خواستگار نہیں ہیں۔ ہم تو صرف اس تنگی کے دن سے ڈرتے ہیں جس میں شدتِ تکلیف سے چہرے بگڑ جائیں گے''۔ (الدھر۷۶: ۸-۱۰)

آپؐ نے جنگی قیدیوں کو اہلِ ایمان کا بھائی قرار دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ تم ان کے ساتھ بھی اپنے بھائیوں جیسا معاملہ کرو۔ آپؐ نے فرمایا: یہ تمھارے بھائی تمھارے خادم ہیں جن کو اللہ نے تمھارا دست نگر بنایا ہے۔ لہٰذا جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو، اسے چاہیے کہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ تم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اور اگر ایسی کسی بھاری خدمت کو ان کے ذمے کرو تو خود ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ (بخاری، حدیث: ۲۵۴۵)

جنگ بدر میں مشرکین مکہ کے ۷۰ سے زیادہ آدمی مارے گئے اور کم و بیش اتنے ہی قیدی بنا کر لائے گئے۔ آپؐ نے قیدیوں کو صحابہ کے درمیان تقسیم کر دیا اور نصیحت کی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ حضرت حسن بصری اس سلسلے میں فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی لایا جاتا تو آپ اسے کسی مسلمان کے حوالے کر دیتے اور فرماتے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یہ قیدی ان کے پاس دو تین دن رہتا اور وہ مسلمان اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا تھا۔ (الکشاف، زمخشری، ج۴، ص۱۹۶)

لاشوں کی بے حُرمتی کی ممانعت

دشمن کی لاشوں اور ان کے اعضا کی بے حرمتی کرنے سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔ یہ کسی بھی طرح سے جائز نہیں ہے کہ انسانی لاشوں کے ساتھ درندگی کا سلوک کیا جائے۔ آپؐ نے بہت ہی سختی سے منع کیا ہے۔ عبداللہ بن یزید انصاریؓ روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال لوٹنے اور جسم کو مُثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد، حدیث ۲۶۶۶)

غیر محارب سے عدم تعارض

اسلام نے جو قوانینِ جنگ وضع کیے ہیں ان میں اتنی جامعیت ہے کہ دورِ جدید کا مہذب انسان بھی ان کو قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلام کے جنگی قوانین کے مطابق دشمن ہوں یا دوست، عقائد و نظریات کے اعتبار سے خواہ وہ کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا، بشرطیکہ وہ ظالموں میں سے نہ ہوں اور نہ دینِ حق کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے ہوں۔ قرآن مجید کی یہ بیّن تعلیم ہے: ''اللہ تم لوگوں کو ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے اور نہ ہی تم کو انھوں نے تمھارے گھروں سے نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔(الممتحنہ ۶۰:۸)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں: ''اس باب میں اسلامی قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص جو اہلِ قتال میں سے ہے اس کا قتل جائز ہے خواہ وہ بالفعل لڑے یا نہ لڑے، اور ہر وہ شخص جو اہلِ قتال میں سے نہیں ہے اس کا قتل ناجائز ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ حقیقتاً لڑائی میں شامل ہو یا مقاتلین کے سے کام کرنے لگے''۔(الجہاد فی الاسلام، ص ۲۲۴)

لوٹ کھسوٹ کی ممانعت

اسلام سے قبل محض مالِ غنیمت کے حصول کے لیے بھی جنگوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ تجارتی قافلوں اور راہگیروں کو لوٹنا پیشہ بن چکا تھا۔ لیکن اسلام نے اس شنیع عمل کی پُرزور مذمت کی اور اس طرزِ عمل پر قدغن لگادی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹے ہوئے مال کو حرام قرار دے دیا۔ مندرجہ ذیل ہدایت کا انتساب آپؐ کی طرف واضح ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ مار اور مُثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے (بخاری، حدیث ۵۵۱۶)۔ ایک دوسری جگہ آپؐ کا ارشاد ہے: ''جو شخص لوٹ مار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔(سنن ابن ماجہ، حدیث ۳۹۳۷)

گویا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اگر لوٹ مار اور فتنہ و فساد میں مشغول ہو جائیں اور غیر اخلاقی حرکتوں کے مرتکب ہوں جن کی بنا پر عوام و خواص میں اضطراب و بے قراری عام ہو جائے، تو راہِ حق میں اُٹھنے والے یہ قدم 'خیر' کا باعث نہ بن کر 'شر' کا موجب قرار پاتے ہیں۔

چنانچہ ان کا جذبۂ عمل اللہ رب العزت کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے محروم رہتا ہے۔

تباہی وبربادی کی ممانعت

اسلام نہ تو ناحق خون بہانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ دشمنوں کی اَملاک وجایداد کو تباہ و برباد کرنے کو جائز ٹھیراتا ہے، اور نہ یہ اعمال اسلام کے مقاصد جلیلہ کے شایان شان ہی ہیں۔ اسلام فتنہ وفساد کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے کہ حقیقی معنوں میں یہ امن وآشتی کا علَم بردار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حالتِ جنگ میں بھی اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ نہ کھیتیاں تباہ وبرباد کی جائیں، نہ پھل دار درختوں کو کاٹا جائے اور نہ املاک کو نذر آتش کیا جائے۔ یہاں تک کہ کفروشرک کا علَم بردار محارب فریق میدان جنگ میں بھی، اہل ایمان محارب فریق سے امن وعافیت کا خواہاں ہو تو ہاتھ روکنے کا حکم ہے۔ اسلام کو اگر وہ سمجھنا چاہتا ہے تو اس کو موقع دیا جائے گا اور پھر بھی اگر وہ اسلام سے بے زاری کا اظہار کرے تو حکم یہ ہے کہ اسے اس کے محفوظ مقام تک پہنچا دیا جائے۔

اس کے علی الرغم عصر حاضر کے خود ساختہ قانون امن وجنگ میں سب کچھ جائز ہے۔ اپنے حریف کو مغلوب کرنے کے لیے ہر طرح کا حربہ استعمال کیا جاسکتا ہے، چاہے املاک کی تباہی کی شکل میں ہو یا جانوں کے تلف کی صورت میں ہو۔ ماضی قریب میں بھارت میں گجرات اور آسام کے فسادات اور بین الاقوامی سطح پر افغانستان، عراق اور میانمار کے دل دوز واقعات انسانوں کے خود ساختہ قوانین جنگ وامن اور ان کے بھیانک اور انسانیت کش نتائج کی زندہ مثالیں ہیں۔ ایسے ہی شر انگیزوں اور فساد کاروں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ''اور جب وہ حاکم بنتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور فصلوں اور نسلوں کو برباد کردے۔ مگر اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا''۔(البقرہ ۲:۲۰۵)

دوسری طرف مذہب اسلام کی بیّن اور درخشاں تعلیمات ہیں جو میدان جنگ میں بھی اخلاق، رواداری اور عظمت انسان کی پاسداری کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتیں، بلکہ وہ فتنہ وفساد کا قلع قمع کرنے کے لیے مؤثر اقدام کی ترغیب وتحریص کرتی ہیں۔ اس سلسلے کی آخری کوشش کے مظہر قتال فی سبیل اللہ کے دوران بھی اخلاق وکردار کو بالاے طاق نہیں رکھا جاتا بلکہ شایانِ انسانیت اخلاق برتنے کی تعلیم وتلقین کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کھیتوں اور فصلوں کی

بربادی اور درختوں کے اُکھاڑنے اور جلانے تک سے روکا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب کسی لشکر کو روانہ کرتے تو امیر لشکر کو چند ہدایات ضرور دیتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت اسامہؓ کے لشکر کو آپ نے روانہ کیا تو ان کو ۱۰ ہدایات دیں، ارشاد فرمایا: ''لوگو! ٹھیرو، میں تم کو دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ تم ان کو یاد رکھنا۔ دیکھو! خیانت نہ کرنا، فریب نہ کرنا، سرکشی نہ کرنا، دشمن کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا، چھوٹے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجور کے درخت کو نہ اکھاڑنا اور نہ اس کو جلانا، پھل دار درخت کو نہ کاٹنا۔ بکری، گائے اونٹ کھانے کے سوا ذبح نہ کرنا۔ (تفسیر الطبری، ج۲،ص ۴۶۔ بحوالہ صدیق اکبر، ص ۳۲۹)

عصمت دری کی ممانعت

اسلام کے جنگی قوانین کے مطابق نہ تو بلاوجہ کسی عورت کو قتل کیا جائے گا اور نہ اس کی عفت وعصمت کو مخدوش وداغ دار کیا جائے گا۔ اسلام اپنے پیروکاروں کی ذہنی پاکیزگی کا پورا اہتمام اور انھیں ہر طرح کی جنسی آلودگی سے پاک رکھتا ہے۔ اسلام نے عورت کو تحفظ فراہم کیا اور معاشرے میں عزت واحترام کا مقام دیا۔ جنگ میں دشمن کی بیٹی پر ہاتھ اٹھانے اور اس کی عصمت دری کرنے کی سختی سے ممانعت کردی گئی۔ یہ امتیاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے مفتوح قوم کی عورتوں کی عصمت کی پاسبانی کا حکم دیا۔

انتقامی کارروائی کی ممانعت

اسلام عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ اسلامی ریاست ومملکت میں انتقامی سیاست کا کوئی تصور موجود نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی جواز فراہم کیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ جنگوں میں بھی انتقامی کارروائی کی ممانعت کردی گئی ہے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ فاتح اقوام جوش انتقام میں فتح وکامرانی کے بعد قتل وغارت گری کا ایسا بازار گرم کردیتی ہیں کہ انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔ نت نئے اسلحہ جات کے ذریعے انسانی لاشوں کے چیتھڑے اڑادیے جاتے ہیں۔ گویا کہ مفتوح قوموں کی تباہی وبربادی مقدر بن جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کی تصویر کشی یوں کی گئی ہے: ''اس نے کہا (کہ لڑائی بذات خود کوئی اچھی چیز نہیں ہے) جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کردیتے

ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے‘‘۔(النمل ۲۷:۳۴)

اذیتیں دے کر ہلاک کرنے کی ممانعت

دیگر اقوام و ملل میں دشمن کے ساتھ ناروا اسے ناروا اور غیر انسانی سلوک کرنے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا، لیکن اسلام نے اس کو انتہائی معیوب و مذموم قرار دیا ہے۔ اپنے جنگی قوانین میں انسانی ہمدردی اور نیک برتاؤ کو بنیادی حیثیت دی ہے۔آج کی مہذب دنیا میں قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی معاملات کرنا باعث شرم و عار نہیں سمجھا جاتا بلکہ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیے جانے کو فتح و کامرانی کے نشے میں روا سمجھا جاتا ہے۔ ماضی قریب میں عالم انسانیت نے یہ دل دوز مناظر دیکھے ہیں کہ افغانستان و عراق سے جو لوگ پکڑ کر امریکا کی جیلوں میں بند کیے گئے، ان کے ساتھ کتنا اذیت ناک سلوک کیا گیا۔ ان اذیت کدوں سے متعلّق دل خراش والم ناک داستانیں امن عالم کے ٹھیکے داروں کے دعووں کو کھوکھلا ثابت کر دیتی ہیں۔ اسلام ان تمام معاندِ انسانیت رویوں کو بہ نظر استحقار دیکھتا ہے اور دشمن پر قابو پا لینے اور قیدیوں کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کرنے سے اپنے پیروکاروں کو سختی سے منع کرتا ہے۔ ابو یعلی سے روایت ہے: ’’وہ کہتے ہیں کہ ہم عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے اور دشمن کے چار جاسوس پکڑے گئے۔ ان کے قتل کا حکم دیا گیا اور ان کو باندھ کر تیر مار کر قتل کیا گیا۔ حضرت ایوبؓ کو یہ بات پہنچی تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے‘‘۔(مسند احمد)

پردہ داری کی تاکید

مجاہدین اسلام کو بلا اجازت گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ حالت جنگ میں بھی اسلام نے پردہ داری پر زور دیا ہے۔ آپؐ کا وہ ارشاد ملاحظہ فرمایا جائے جس میں عورتوں اور بچوں کو نہ مارنے اور دکان سے بلا قیمت کوئی مال کھانے کی سختی سے ممانعت کے ساتھ ساتھ اجانب و اعدا کے گھروں میں بلا اجازت داخلے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے جائز نہیں رکھا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو جاؤ مگر اجازت سے نیز ان کی عورتوں کو پیٹنا اور پھلوں کو کھانا بھی حلال نہیں‘‘۔(سنن ابی داؤد، حدیث ۳۰۵۰)

صلح جوئی

اسلام صلح و آشتی کا علَم بردار ہے اور انسانی معاشرے میں خیروفلاح کی قدروں کو فروغ دینا اس کا مطمح نظر ہے۔ اسلام جنگ وجدال سے اجتناب کی بھی تلقین کرتا ہے، بلکہ امن کا قیام اس کی غایت ہے۔ اسلام صلح جوئی اور قیام امن کا کس حد تک علَم بردار ہے، یہ اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر دشمنان اسلام کی طرف سے صلح کی پیش کش ہو تو اس سے انکار کی کوئی صورت نہیں ہے، بلکہ اس کو قبول کرنا ایمان کا جز ہے۔ دشمنوں کے اس اقدام کو ٹھکرانے کی اسلام اجازت نہیں دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لہٰذا اگر وہ تم سے کنارہ کش ہوجائیں اور لڑنے سے باز رہیں اور تمھاری طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمھارے لیے ان پر دست درازی کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے''۔ (النساء ۴:۹۰)

عمومی طور پر اسلام جارحیت و جبر کے خلاف ہے۔ جنگ برائے جنگ اس کے اغراض میں سے نہیں ہے۔ جنگ بحالت مجبوری ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں بعض ناگزیر احوال میں اس کی اجازت ہے۔ ہاں عام حالات میں نہ اس کی اجازت ہے اور نہ یہ مرغوب و پسندیدہ عمل ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیے کہ اگر صلح کا تھوڑا بھی رجحان پایا جارہا ہو تو پھر صلح کو جنگ پر ترجیح حاصل ہوگی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسا رکھیے، بلاشبہہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے''۔ (انفال ۸:۶۱-۶۲)

اگر دشمنانِ اسلام بالکل مخالفت وعداوت پر اتر آئیں تو ان کی مخالفت اور نقضِ عہد کو دیکھتے ہوئے معاہدے کو توڑا جاسکتا ہے، لیکن اس اقدام سے معاند ومخالف فریق کو خبردار کیے جانے کا حکم ہے۔ دھوکا اور فریب بہرحال مذموم ہے۔ اسی ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اگر کبھی تمھیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو، یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا''۔ (انفال ۸:۵۸)

جو جنگ نہ کرے، اس سے جنگ نہ کی جائے

کسی ملک سے اسلامی ریاست کو خطرہ نہ ہو یا اس کے مصالح وضروریات کا تقاضا ہو کہ اس

کے ساتھ امن وامان کا معاملہ بنا رہے تو اسلامی ریاست اس ملک وقوم سے بلاوجہ جنگ وجدال کے لیے برسرِ پیکار نہ ہوگی جیسا کہ حبشہ اور تُرک کے معاملے میں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی: حبشہ کو چھوڑ دو جب تک کہ وہ تم سے تعرض نہ کرے اسی طرح ترک کو چھوڑ دو جب تک کہ انھوں نے تمھیں چھوڑ رکھا ہے''۔(سنن ابی داؤد، حدیث ۴۳۰۴)

آپؐ نے صاف طور پر فرمادیا کہ اگر اسلامی ممالک میں دوسری ریاستیں کسی بھی طرح ان کے معاملات میں دخل اندازی نہ کر رہی ہوں تو ان سے خواہ مخواہ محاذ آرائی نہیں کی جائے گی۔ ہاں، اگر یہ لوگ اسلامی ریاستوں کے خلاف مہم جوئی شروع کریں تو ان پر طاقت وقوت کے ساتھ یلغار کی جائے گی اور ان کے فتنہ وفساد کا سدباب کیا جائے گا۔

پناہ کے خواستگار کو پناہ دی جائے گی

زمانۂ جنگ میں امن وامان کے حصول کا عمل مختلف مقاصد کے تحت آج بھی جاری ہے۔ جب بھی کوئی غیر مسلم کسی حالت میں امن وامان یا پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دی جائے گی۔ اسلام میں سیاسی، سماجی اور معاشرتی امن وپناہ کا تصور کسی محدود دائرے میں محصور ومقید نہیں ہے بلکہ پناہ لینے والوں کے جان ومال کا تحفظ حکومت وقت کی ذمہ داریوں میں شامل ہوتا ہے۔ اس کی پناہ اس وقت تک ختم نہیں ہوتی ہے جب تک کہ اس نے کوئی ایسا جرم نہ کیا ہو جو ناقابل معافی ہو۔ مثلاً بغاوت وسرکشی یا اسلامی حکومت اور اس کے علَم برداروں کے خلاف جاسوسی کا عمل ناقابل برداشت ہے، اس لیے کہ یہ فتنہ وفساد کے دائرے میں آتا ہے۔ اس سے سرزد ہونے والے دوسرے جرائم میں عام قانون کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔ میدان جنگ میں بھی، جب کہ دونوں فریقوں کے مابین تصادم وآویزش اور جنگ وقتال جاری ہو، اگر فریق مخالف پناہ کا خواہاں ہو تو اسے پناہ دی جائے گی نہ یہ کہ اَنا اور وقار کا مسئلہ بنا کر یا نفس کے تابع ہو کر اس پر وار کیا جاتا رہے گا۔ اگر اس نازک موقعے پر بھی وہ اسلام کو سمجھنا چاہتا ہے تو اس کو حفظ وامان میں رکھتے ہوئے دعوت دی جائے گی۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اپنی سابقہ روش کو ترک نہیں کرنا چاہتا تو اس بات کی تلقین کی جاتی ہے کہ اس کو ہوس کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا بلکہ اس کو اس کے مقام محفوظ تک پہنچا دیا جائے گا۔ (دیکھیے سورۂ توبہ ۹:۶)

یہ حکم ربانی میدان جنگ میں نبرد آزما مشرکین سے متعلّق ہے۔ اس کی وضاحت ابن جریر طبری یوں کرتے ہیں: ''جن مشرکین سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے ان ہی کے بارے میں یہ بھی حکم ہے کہ ان میں سے کوئی اسلام کو سمجھنے کے لیے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دی جائے گی۔ اگر وہ اسلام کو قبول نہ کرے تو بہ حفاظت اسے اس کے علاقہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ اسلامی ریاست کا کوئی فرد اس سے تعرض نہ کرے''۔ (تفسیر الطبری، جلد۱۴، ص ۱۳۸)

علَم برداران اسلام نے ہر دور میں اس قانون امن وامان کا پاس ولحاظ رکھا اور اس پر عمل بھی کیا۔ اگر کسی نے بڑے سے بڑے مجرم کو لاعلمی میں بھی اپنی پناہ میں لیا تو اس امان کا لحاظ رکھا گیا اور اس سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا بلکہ اس کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری کو بطیب خاطر قبول کیا گیا۔ ہاں، اگر کبھی کسی فریق مخالف یا اس کے کسی فرد کے ساتھ کسی نے کوئی ناروا سلوک کیا جس کا سرا ظلم وتعدی سے مل جاتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ اس کا ذاتی عمل ہے۔ مذہب اسلام اور اس کی درخشاں انسانیت نواز تعلیمات سے اس کا کوئی تعلّق نہیں ہے۔ اس لیے کہ اسلام جس طرح اپنے نام سے امن وآشتی کا پیغام دیتا ہے اسی طرح قرآن وسنت میں مذکور واضح اور بیّن تعلیمات، ظلم وعدوان کی مخالف اور امن وآشتی کی نقیب ہیں۔ یہاں ایک انسان کا قتل ناحق پوری انسانیت کے قتل کے برابر اور ایک انسان کی جان بچانا پوری انسانیت کی جان بچانے کے مترادف ہے۔ جو مذہب انسانی خون کے احترام میں اس انتہا تک پہنچ جاتا ہو اس کی طرف دہشت گردی اور خوں ریزی کا انتساب سرتاپا ظلم ہے۔ یہاں اگر جنگ کی اجازت ہے تو محض فتنہ وفساد کا قلع قمع کرنے کے لیے تاکہ فرد، معاشرہ، ملک اور قوم کو امن وآشتی کی خوش گوار فضا میسر ہو اور کاروانِ انسانیت منزل مقصود کی یافت میں امن وسکون کے ساتھ رواں دواں رہے۔

مقالہ نگار شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے وابستہ ہیں